ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی' انڈیا

اکیسویں صدی میں اسلامی قیادت کا سنگین بحران

اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ حضرت خالد بن ولیدؓ سے منسوب ہے۔ عیسائیوں سے ایک جنگ کے موقع پر ان کے ساتھی نے انہیں یہ خبر دی کہ ایک لاکھ عیسائی سپاہی اور آگئے ہیں اس موقعہ پر حضرت خالد بن ولیدؓ نے فرمایا کہ اگر میرے گھوڑے ابرہہ کے سم ٹھیک ہوتے تو میں کہتا اتنے ہی اور لے آؤ۔ دراصل عالم اسلام کا مسئلہ نہ وسائل کا ہے' نہ تعداد کا مسئلہ صرف اور صرف ایک ہے یعنی مضبوط ایمان والے افراد کا

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے ملک ان کے زیر حکمرانی ہیں ان کے احکامات کی پابندی کی جاتی ہے لیکن اکثر خدا اور رسول کے باغی ہیں شریعت اسلامی سے انہوں نے منہ موڑ رکھا ہے انہوں نے اپنی ضرورت کے مطابق اسلام کا جدید ایڈیشن تیار کر لیا ان کے گھر ان کے خاندان میں ان کی اولاد تک کا اسلام سے اگر کوئی تعلق ہے تو رسمی یا مصالحتی اسلام نے جو تاریخی کردار ادا کیا وہ کسی مخصوص طبقہ یا برادری علاقہ تک محدود نہیں تھا۔ اس نے جس معاشرہ کی طرح ڈالی اس میں معاشی اور اقتصادی مسائل کو بیک سیٹ پر رکھا۔ ایمان اور اسلامی شریعت کو ڈرائیونگ سیٹ پر رکھا۔

جدید دور نے صورت حال پلٹ دی ہے اب سارا زور معاشیات پر ہے انسان ہزار خرابیوں کے ساتھ اگر معاشی اعتبار سے مستحکم ہے تو وہ کامیاب سمجھا جاتا ہے لیکن اسلامی تاریخ اس کی نفی کرتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے صرف نظر کر لیا جائے مسئلہ یہ ہے کہ ترجیحی بنیاد پر پہلی اہمیت کس کی ہو اور اس کے بعد کس کو دی جائے۔ ایمان بظاہر ایک مختصر لفظ ہے لیکن یہ پوری زندگی پر حاوی ہے۔ پوری زندگی کھونٹے پر گھومتی ہے زندگی کی آخری سانس تک کوئی اس کے تقاضوں یا حدود سے اپنے کو جدا نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ سربراہ مملکت ہو یا ادنیٰ درجہ کا خادم تاجر ہو یا کاشتکار' مزدور ہو یا کارخانہ دار' طبقہ علماً ہو یا مدارس کے طلباً جدید تعلیم کے پیرہن ہوں یا ٹیکنالوجی اور سائنس کے ماہرین' ہر ایک براہ راست ایمان کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کا پابند ہے۔

مسلم ممالک کا ان کے سربراہوں کا یا دولتمندوں عوام و خواص یہاں تک کہ علماً اور دینی حلقوں

کا جائزہ لیا جائے تو پوری بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ حقیقت کیا ہے اور پانی کہاں سے گر رہا ہے۔

اسلام سے انکار کسی کو نہیں 'ایمان پر سب قائم ہونے کے مدعی ہیں۔ لیکن عملی زندگی اس سے بالکل مختلف ہے۔ دینی حلقے جنہیں دین پڑھنے اور سمجھنے کا زیادہ موقعہ ملا وہ بنیادی سے زیادہ فروعی اختلاف میں نہ صرف خود باہم دست و گریبان ہیں بلکہ عوام و خواص کے درمیان بھی خلیج پیدا کر دی ہے اسلام سے زیادہ مسلکی امور پر زور دیا جانے لگا ہے۔

اس کے نتیجہ میں مصنوعی حصار قائم ہو گئے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں جہاں اسلامی یکجہتی کا سبق پڑھایا جانا چاہیے۔ وہاں بھی تفریق کا سبق پڑھایا جا رہا ہے۔ ایک عقیدہ کے باوجود آپس میں فاصلے قائم رکھنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ اس سے ملت سیسہ پلائی دیوار کے تصور سے بھی نا آشنا ہے۔ ایک مسلم ملک دوسرے مسلم ملک کیلئے اجنبی ہے۔ اس کا پورا فائدہ غیر خاص طور پر بڑی طاقتیں اٹھا رہی ہیں۔ وہ اندرونی طور پر نئی نئی پالیسیوں کے جال میں انہیں پھسلا دیتی ہیں۔ حکمرانوں سے جب عوام بدگمان ہو کر ان کے مخالف ہو جاتے ہیں تو حکمران پھر انہی بڑی طاقتوں کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوتے ہیں اس آواگون نے تمام مسلم ممالک میں اور دنیا کے دوسرے بہت سے ملکوں میں بھی عدم استحکام پیدا کر رکھا ہے

قیادت کے بحران میں تین اہم بنیادی فیکٹرس ہیں نظام تعلیم جو ایمان کی حقیقت سے محروم ہے خود اعتمادی کی کمی۔ اپنے وسائل سے پورا فائدہ نہ اٹھانے کی عدم صلاحیت غیر ملکی طاقتوں کی محتاجی کوئی بھی قیادت اگر اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے تو وہ مستقل بحران کا شکار رہے گی۔ جو حکومت یا قیادت مسلسل بحران میں مبتلا رہے گی وہ نہ اپنے مسائل حل کر سکتی ہے اور نہ دوسروں کی رہنمائی کا فرض انجام دے سکتی ہے۔

اکیسویں صدی میں قیادت کا بحران تمام تر داخلی ہے خارجی کم۔ اندرونی طور پر جب تک تعلیم کے چار محاذوں پر بحیثیت مجموعی یکساں توجہ اور سرمایہ کاری نہیں کی جاتی اس بحران سے نکلنا مشکل ہے۔

عمومی و عوامی تعلیم 'دینی مدارس 'لڑکیوں کی تعلیم عصری اور جدید تعلیم 'مربوط طریقہ پر اسلام سے وابستگی اور جدید تقاضوں کا پورا لحاظ رکھ کر اگر یہ کام کر لیا جائے تو ہر سطح پر استحکام یقینی ہے بڑی سے بڑی سازش بھی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ہر کام تناسب چاہتا ہے کسی ایک محاذ پر پوری قوت جھونک دینے سے بھی مسائل حل ہونے والے نہیں اور نہ پیوندکاری سے کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں۔ دنیائے اسلام جن مشکلات کا شکار ہے اس کے بنیادی اسباب پر توجہ کئے بغیر منزل مقصود تک رسائی مشکل ہے۔